Al-Behishat Research Archive
ISSN Online: 3006-5224
ISSN Print: 3006-5216
Publisher: Al-Behishat Education & Research Institute
Journal Frequency: BI-Annual

The New Narrative of the Short Story: A Study of Fictional Reconstruction and Contemporary Critical Dimensions in Digital Culture

افسانے کا نیا بیانیہ: ڈیجیٹل ثقافت میں افسانوی تشکیلِ نو اور عصری تنقیدی جہات کا جائزہ

ڈاکٹر اسد محمود خان
ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ اردو منہاج یونیورسٹی، لاہور
assadphdir@gmail.com

Al-Behishat Research Archive
https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

Abstrcat

In the age of digital transformation, the traditional form and function of the Urdu short story are undergoing a significant shift. This research explores how digital culture has impacted the narrative structure, themes, and reader-writer dynamics of modern short stories. By examining the sixfold influence of postmodernism, structuralism, media theory, reader-response criticism, intertextuality, and digital aesthetics, the study investigates the ways in which storytelling is being reshaped in online platforms and interactive mediums. The research delves into the evolution from linear storytelling to fragmented, multimedia-infused narratives that engage a participatory reader. It also highlights how digital short stories often transcend linguistic and formal boundaries, incorporating visual, auditory, and hypertextual elements. Through critical analysis of selected contemporary digital Urdu short stories, the study illustrates how new modes of narrative construction are emerging and what implications they hold for the future of literary theory and practice in the Urdu literary landscape.

Key Words: Digital Culture, Urdu Short Story, Postmodernism, Narrative Shift, Media Theory, Reader Engagement, Fictional Reconstruction

مُلخّص

عہدِ جدید میں ڈیجیٹل ثقافت نے اردو افسانے کی روایت، بیانیہ اسلوب، اور قاری و مصنف کے تعلق کو یکسر بدل دیا ہے۔ یہ تحقیق اس تبدیلی کا تنقیدی جائزہ پیش کرتی ہے کہ کس طرح ڈیجیٹل دور کی چھ جہتی اضافت —— مابعد جدیدیت، ساختیات، میڈیا تھیوری، قاری پرستی، بین المتونیت اور بصری جمالیات —— نے افسانے کے بیانیہ، موضوعات اور فکری ڈھانچے کو متاثر کیا ہے۔ تحقیق اس بات کا بھی مطالعہ کرتی ہے کہ کیسے افسانہ اب یک رُخی بیانیے سے ہٹ کر کثیر سطحی، بصری اور انٹر ایکٹو انداز میں ڈھل رہا ہے، جہاں قاری صرف پڑھنے والا نہیں بلکہ متن کی تشکیل میں شریک بھی ہے۔ ڈیجیٹل افسانے زبان، ہیئت اور اظہار کی نئی جہتوں کو جنم دے رہے ہیں۔ منتخب عصری اردو افسانہ نگاروں کے ڈیجیٹل متون کے تنقیدی مطالعے سے یہ تحقیق افسانے کی نئی ساخت کو واضح کرتی ہے، اور اردو ادب میں ادبی نظریات کی نئی جہتوں پر روشنی ڈالتی ہے۔

کلیدی الفاظ: ڈیجیٹل ثقافت، اردو افسانہ، مابعد جدیدیت، بیانیہ تبدیلی، میڈیا تھیوری، قاری کی شمولیت، افسانوی تشکیلِ نو

افسانے کا نیا بیانیہ: ڈیجیٹل ثقافت میں افسانوی تشکیلِ نو اور عصری تنقیدی جہات کا جائزہ

(1)

عالمی سطح پر ڈیجیٹل انقلاب کی منفرد رفتار نے ایک ہمہ گیر تکنیکی، ثقافتی اور ابلاغی تبدیلی کے ذریعے انسانی طرزِ فکر، اظہار اور تخلیق کو ایک نئی عالمی تہذیب کے مرحلے میں داخل کر دیا ہے۔ "ڈیجیٹل ثقافت (Digital Culture)" صرف ٹیکنالوجی کا غلبہ نہیں،

بلکہ ایک ہمہ جہت ثقافتی اور فکری تبدیلی ہے، جس نے انسانی حیات کے تمام مظاہر کو متاثر کیا ہے۔ اردو افسانہ، جو ہمیشہ زمانے کی دھڑکن سے ہم آہنگ رہا ہے، اس بدلتی دنیا سے الگ نہیں رہا۔ چنانچہ افسانہ اب محض کاغذی صفحات یا روایتی مطبوعات تک محدود نہیں رہا، بلکہ وہ ایک ہم عصر تخلیقی مظہر (Creative Phenomenon) کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ ڈیجیٹل عہد نے افسانے کی پیشکش (Presentation)، ترسیل (Transmission) اور تفہیم (Interpretation) کے تمام پرانے سانچوں کو چیلنج کیا ہے۔ بصری (Visual)، سمعی (Auditory) اور بین المتنی (Intertextual) ذرائع، جو کہ ڈیجیٹل میڈیا کے لازمی اجزاء ہیں، اب افسانے کے بیانیے کا جزو بن چکے ہیں۔ مثلاً آن لائن ویڈیوز، صوتی بیانیہ، ڈیجیٹل کتابیں (eBooks)، انٹر ایکٹو بلاگز، اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز جیسے انسٹا گرام یا یوٹیوب پر مختصر کہانیوں کی اشاعت، اس بات کی دلیل ہے کہ افسانے کا دائرۂ اظہار اب صرف تحریری لفظ تک محدود نہیں رہا۔ یہ تبدیلی صرف تکنیکی یا ترسیلی نہیں بلکہ فکری اور جمالیاتی بنیادوں پر بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ افسانہ اب صرف ایک مکمل اور بند فن پارہ نہیں، بلکہ وہ ایک ایسا جاری مکالمہ (Dialogic Process) ہے، جس میں قاری (Reader) ایک فعال کردار ادا کرتا ہے۔ جہاں ماضی میں قاری کا کردار صرف متن کو پڑھنے اور سمجھنے تک محدود تھا، وہیں آج کے ڈیجیٹل تناظر میں قاری نہ صرف افسانے کی تعبیر (Interpretation) بلکہ بعض اوقات اس کی تشکیلِ نو (Reconstruction) میں بھی شریک ہوتا ہے۔ مذکورہ وقوع پذیر فکری و اسلوبیاتی تبدیلیوں، ان کی عصری جہات اور تخلیقی امکانات کا تفصیلی تجزیہ پروفیسر صغیر افراہیم (1) اپنے مضمون 'اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کا اردو افسانہ' میں یوں بیان کرتے ہیں:

> "اکیسویں صدی نے اردو ادب میں جو معنوی و اسلوبی تبدیلیاں متعارف کرائی ہیں، وہ نہ صرف روایتی ادبی موضوعات کو عصری تناظر میں از سرِ نو سمجھنے کا موقع فراہم کرتی ہیں، بلکہ انسانیت کے پیچیدہ وجود اور موجودہ عہد کی تہہ دار حقیقتوں کو بھی ایک نئی فکری جہت کے ساتھ نمایاں کرتی ہیں۔"

افسانے کا یہ "تعاملاتی (Interactive) "رویہ ادب کی روایت میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قاری اور متن کے درمیان اب صرف تاثراتی تعلق نہیں، بلکہ تخلیقی شرکت کا امکان بھی پیدا ہو گیا ہے۔ کئی ڈیجیٹل افسانے ایسے بھی سامنے آئے ہیں جہاں قاری کہانی کے انجام کا تعین خود کر سکتا ہے یا مختلف اختیارات میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے متن کا رخ متعین کرتا ہے۔ یوں افسانہ اب محض بیان نہیں، بلکہ ایک تجربہ (Experience) بن چکا ہے — ایسا تجربہ جس میں لفظ، تصویر، آواز، اور قاری کا شعور ایک ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ اس جدید افسانوی بیانیے نے اردو ادب کے لیے نئے امکانات کھولے ہیں، اور اس حقیقت کا ادراک لازم ہو گیا ہے کہ آج کا افسانہ صرف ایک تحریری صنف نہیں بلکہ ایک کثیر جہتی ادبی مظہر ہے، جو عصرِ حاضر کی ٹیکنالوجی، ثقافت اور انسانی نفسیات سے گہرائی سے جڑا ہوا ہے۔ تشکیلِ نو کے اس عمل میں اردو افسانہ نئی زبان، نئے اظہار، اور نئی جمالیات کے ساتھ سامنے آ رہا ہے، جہاں موضوعات میں گلوبلائزیشن، شناخت، جنس، ماحولیاتی بحران، اور سوشل میڈیا کلچر نمایاں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بیانیے میں ویژوئل، آڈیو اور ہائپر ٹیکسچوئل تکنیکوں کا استعمال افسانے کو محض ادب کی صنف نہیں بلکہ ملٹی میڈیا تجربہ بنا رہا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ

"افسانے کا نیا بیانیہ" دراصل ایک نیا تنقیدی اور جمالیاتی نظام ہے، جسے ڈیجیٹل ثقافت نے تشکیل دیا اور عصری نظریات نے واضح کیا۔ اس مطالعے کا مقصد انہی فکری و فنی تبدیلیوں کو نشان زد کرنا ہے، جو اردو افسانے کو نئے دور میں ایک منفرد اور متحرک تخلیقی اظہار میں تبدیل کر رہی ہیں۔

زیدی اسمتھ (2) لکھتے ہیں:

> "اکیسویں صدی کا ناول محض بیانیہ متن نہیں رہا بلکہ یہ تہذیبی امتزاج، فکری مزاحمت، اور حقیقت کے متنوع مظاہر کو سمیٹے ہوئے ایک ایسا ادبی وسیلہ بن چکا ہے جو عصری شعور اور ثقافتی تنوع کی پیچیدگیوں کا عکاس ہے۔"

افسانے کی یہ نئی صورت گری ایک ایسی "شش جہتی اضافت (Six-Dimensional Augmentation) "کے زیرِ اثر ہے جو اس پر غیر محسوس مگر گہرے اثرات مرتب کر رہی ہے۔ اس اضافت میں تکنیکی وسعت، ثقافتی تغیر، قاری کا بدلتا ہوا رویہ، ترسیلی ذرائع کی تبدیلی، اظہار کی بصری و سمعی جہات، اور بین المتنی تعامل شامل ہیں۔ ان سب نے افسانے کے روایتی خدوخال کو محض تغیر نہیں بلکہ ایک تخلیقی انقلاب (Creative Shift) سے دوچار کر دیا ہے۔ یہ اثرات صرف سطحی تبدیلی نہیں، بلکہ افسانے کی گہرائی، ساخت، علامتوں، اور تاثر کی نوعیت میں بنیادی تغیر کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ وہ تبدیلی ہے جو بظاہر ایک "آئینے کے پیچھے کی تصویر" ہے — یعنی وہ رخ جو براہِ راست نظر نہیں آتا مگر حقیقت کے اندرونی تانے بانے کو آشکار کرتا ہے۔ ڈیوڈ لاج (3) رقمطراز ہے:

> "معاصر افسانہ، بکھرتی ہوئی شناخت، منتشر حقیقتوں، اور عالمگیریت کے دباؤ میں غیر یقینی وجودی معنویت کی جستجو کرتا ہے، جہاں فرد کی داخلی کشمکش اور خارجی پیچیدگی ایک نئے بیانیے کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔"

اس نئے افسانے کی تحریر میں جہاں اسلوب کے "اسٹروکس" رنگینی، جدت، اور کثیر المعانیّت کا پتہ دیتے ہیں، وہیں یہ بیانیہ اپنے پس منظر میں عصری شعور، تہذیبی تجربات اور فکری دھاروں کو سمیٹے ہوتا ہے۔ یہی افسانوی رجحان ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم افسانے کے اس نئے بیانیے کو صرف روایتی نظریات کی کسوٹی پر نہ پرکھیں، بلکہ نئی تنقیدی جہات، میڈیا تھیوری، بین المتنی مطالعہ، اور قاری۔ متن کے تعامل جیسے نظری فریم ورک میں بھی دیکھیں۔ اس تحقیقی مطالعے کا مقصد یہی ہے کہ اس شش جہتی اضافت کی روشنی میں افسانے کی موجودہ صورت گری کو پرکھا جائے؛ یہ دیکھا جائے کہ آج کا افسانہ کن نئے رویوں میں ظاہر ہو رہا ہے، اس کی علامتیں اور استعارے کس نئی معنویت کے حامل ہو چکے ہیں، اور قاری اس نئے تناظر میں کن طریقوں سے کہانی کا فعال حصہ بن رہا ہے۔

(2)

اوّل: " فلیش فکشن " ، ادب کا وہ جدید رجحان ہے جس نے کہانی کے بیانیہ کو محض اختصار میں سمیٹنے کے بجائے اسے ایک نئی فکری حکمتِ عملی میں ڈھال دیا ہے۔ جب رولان بارتھ 4(Roland Barthes) (یہ کہتا ہے کہ " قاری ہی وہ مقام ہے جہاں متن کے سارے دھاگے آپس میں ملتے ہیں"، تو گویا وہ فلیش فکشن کے قاری کو براہِ راست متن کے معمار کی حیثیت دے رہا ہے۔ یہی

وصف اسے محض مختصر بیانیہ نہیں بلکہ ایک فلسفیانہ و فکری تجربہ بنا دیتا ہے۔ڈیجیٹل کلچر کے اثرات نے اس صنف کو عوامی سطح پر مقبول بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ٹوئٹر، فیس بک، انسٹاگرام جیسے پلیٹ فارمز پر مختصر اور شدید بیانیہ، وہی "فوری اثر" پیدا کرتا ہے جس کی جدید صارف کو خواہش ہے۔اس سیاق میں فلیش فکشن محض تخلیق نہیں بلکہ ایک میڈیا ریفلیکس (Media Reflex) ہے، جو قاری کے ذہنی مزاج اور بصری عادتوں کو براہِ راست اپیل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان میں اب غیر روایتی ذرائع—— جیسے موبائل میسجز، بلاگز، اور سوشل میڈیا پوسٹس—— بھی افسانوی بیانیے کی ایک صورت بن چکے ہیں۔ بعض نقادوں نے فلیش فکشن کو مابعد جدید (Postmodern) عہد کا تقاضا قرار دیا ہے، کیونکہ یہ صنف متن کے اندر خاموشیوں (Silences)، ابہام (Ambiguity)، اور تاویلات کی گنجائش کو نہ صرف تسلیم کرتی ہے بلکہ انہیں جمالیاتی اثاثہ بھی بناتی ہے۔اس کے اندرون میں بین المتنی تعامل (Intertextuality) اور ساختیاتی کٹاؤ (Fragmentation) جیسے عناصر کی موجودگی اسے محض مختصر کہانی نہیں بلکہ "کہانی کی غیر موجودگی کے اندر کہانی" کا احساس دیتی ہے۔ڈاکٹر عظیم راہی (5) لکھتے ہیں:

> "افسانچہ، انتہائی محدود الفاظ اور سطروں میں ایک مکمل اور موثر بیانیہ تشکیل دینے کی صلاحیت رکھتا ہے جو بظاہر معمولی مگر معنی خیز لمحے کو اس شدت سے پیش کرتا ہے کہ قاری کے ذہن میں کہانی اپنی تمام تر جزئیات، امکانات اور تاثرات کے ساتھ از خود تشکیل پاتی ہے۔"

فلیش فکشن: وقت، توجہ، اور تصور کے تیزی سے بکھرتے ہوئے دائرے میں قاری کو "Immediate Cognitive Shock" سے روشناس کراتی ہے، جہاں ایک ایک لفظ معنی کی تہیں کھولتا ہے۔اردو افسانوی ادب میں اس رجحان کی ظاہری جھلکیں ماضی میں بھی موجود تھیں، لیکن ایک باقاعدہ جمالیاتی اور ساختیاتی اکائی کے طور پر اسے شناخت تب ملی جب مبشر علی زیدی نے "سو لفظوں کی کہانی" کے ذریعے اسے اردو کے قاری کے مزاج سے ہم آہنگ کیا۔زیدی کی کہانیوں میں نہ صرف بیانیہ کا جوہر قائم ہے، بلکہ کہانی کی معیشت (Narrative Economy) بھی بخوبی نظر آتی ہے۔یہ کہانیاں اکثر ایک معمولی واقعے، مکالمے یا منظر پر قائم ہوتی ہیں، لیکن وہ اپنے اختتام پر ایسا وجودی جھٹکا دیتی ہیں جو قاری کو طویل بیانیے سے کہیں زیادہ متاثر کرتا ہے۔اسی فنی چابکدستی کو "Compression as Impact" کہا جا سکتا ہے، جو جدید ادبی تھیوری میں مختصر نظم یا "ہائی کو (Haiku)" جیسی اصناف کے لیے مخصوص تھی، لیکن اب نثری بیانیے میں بھی بروئے کار آ رہی ہے۔اردو ادب میں مبشر علی زیدی کے بعد کئی اور ناموں نے بھی اس صنف کو اختیار کیا، تاہم اکثریت اسے ابھی تک محض تجربہ سمجھتی ہے۔سید انور محمود، اعجاز احمد، اور دیگر لکھاریوں نے اسے عمومی بیانیے کے بجائے ایک پیغاماتی اظہار میں برتا، جس کا غالب حصہ سوشل میڈیا پر گردش کرتا نظر آتا ہے۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ صنف ادبی معیارات پر پوری اترتی ہے یا صرف عصری "اطلاعاتی مزاج" کی تسکین ہے؟ مگر یہیں پر "ادب کی جمالیات" کی ایک نئی تعریف جنم لیتی ہے—— ایسی تعریف جو تشکیلِ معنی کی جمہوریت پر زور دیتی ہے نہ کہ صرف فنی ضوابط پر۔اگر فلیش فکشن کو اردو میں ایک باقاعدہ صنف کے طور پر تسلیم کیا جائے تو یہ لازم ہے کہ اس کی نقدی ساخت، بیانیہ منطق، اور فکری اساس

پر تحقیقی کام کیا جائے۔اردو تنقید کو اس صنف کی فکری تشکیل،اسلوبی پہچان،اور تخلیقی افق کو سمجھنے کے لیے نئی زبان،نئے اصول،اور نیا فہم اپنانا ہوگا۔تب ہی ہم یہ طے کر سکیں گے کہ فلیش فکشن ایک عارضی اظہار ہے یا ایک نیا فکری بیانیہ۔

(3)

دوم: ''ہائبرڈیٹی''،اردو افسانے کی حالیہ تشکیلِ نو میں "ہائبرڈیٹی" ایک بنیادی فکری اور فنی مظہر کے طور پر نمایاں ہوئی ہے۔ یہ محض ثقافتی امتزاج یا اسلوبی تجربہ نہیں،بلکہ ایک ایسا لسانی و فکری اظہار یہ ہے جو بدلتے ہوئے عالمی تناظر،انفارمیشن ایج کے کثیر الثقافتی تقاضوں،اور ڈیجیٹل ابلاغ کے اثرات سے جنم لیتا ہے۔لفظ "Hybrid" کی جڑیں لاطینی زبان کے اس تصور میں پیوست ہیں جسے پہلی بار 1061ء میں باقاعدہ لغوی شناخت ملی۔یہ اصطلاح عمومی طور پر دو مختلف تہذیبوں،لسانی دھاروں یا ثقافتی نظاموں کے امتزاج کو ظاہر کرتی ہے "A blend of two diverse cultures or traditions" :۔اردو افسانہ،جو ہمیشہ سے تہذیبی پیچیدگیوں اور ثقافتی تعاملات کا عکاس رہا ہے،آج کی ڈیجیٹل اور کثیر الثقافتی دنیا میں ایک ایسی بیانیہ شکل اختیار کر چکا ہے جہاں ہائبرڈیٹی نہ صرف اسلوبیاتی تجربہ ہے بلکہ فکری ضرورت بھی۔ موجودہ عہد، جسے بعض مفکرین "عہدِ استخبار " (Age of Information or Surveillance) سے تعبیر کرتے ہیں،اُس میں زبان، بیانیہ،شناخت اور فکری مقام کے درمیان فاصلہ سکڑ کر ایک کلک کی مسافت پر آ گیا ہے۔ اس تناظر میں ہائبرڈیٹی کا مفہوم محض صنفی (generic) یا لسانی (linguistic) آمیزش سے آگے بڑھ کر،ایک نئی فکری ساخت میں ڈھلتا ہوا نظر آتا ہے۔افسانے میں ہائبرڈیٹی کا ظہور صرف طرزِ بیان یا اسلوب تک محدود نہیں، بلکہ یہ موضوعات، کرداروں، اور حتیٰ کہ متن کے اندرونی ربط (intertextual coherence) میں بھی شامل ہو چکا ہے۔اب افسانہ دیہی اور شہری، مشرقی اور مغربی،روایتی اور جدید، حقیقت اور تخیل،سچ اور فسانے جیسے بظاہر متضاد تناظرات کو یکجا کرنے کا وسیلہ بن رہا ہے۔اس امتزاجی رجحان نے کہانی کے مرکزی سانچے کو بدل دیا ہے۔ قاری اب صرف ایک ثقافت یا دنیا میں محدود نہیں رہا، بلکہ وہ بیک وقت کئی تناظرات میں افسانے کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ تھیوری کے اعتبار سے اگر بات کی جائے تو "ہائبرڈیٹی" کا تصور سب سے مؤثر انداز میں ہومی بھابھا[6] (Homi K. Bhabha) نے پیش کیا،وہ کہتے ہیں:

"شناخت ایک 'تیسری جگہ (Third Space)' میں جنم لیتی ہے، جہاں
ثقافتی تعامل اور تصادم سے ایک نئی ہیئت تخلیق ہوتی ہے۔"

اردو افسانے میں یہ "تیسری جگہ" وہ مقام ہے جہاں مقامی اور عالمی، مذہبی اور سیکولر، قدیم اور جدید بیانیے ایک ساتھ سانس لیتے ہیں۔ اس تناظر میں ہائبرڈ افسانہ نہ تو روایتی جمالیات کا اسیر ہے، نہ ہی مکمل جدیدیت کا پرچارک، بلکہ یہ ان دونوں کے درمیان ایک تخلیقی معلق کیفیت (creative in-betweenness) میں نمو پاتا ہے۔ڈیجیٹل دور نے اس امتزاجی فضا کو مزید گہرا کر دیا ہے۔ اب اردو افسانہ نگار صرف اردو زبان یا مقامی محاورے تک محدود نہیں، بلکہ انگریزی، ہندی، پنجابی، یا دیگر لسانی و ثقافتی عناصر کو شعوری طور پر شامل کرتا ہے۔ بعض افسانے تو ایسے بھی ہیں جو "اردو انگلش ہائبرڈ" زبان میں لکھے جا رہے ہیں، جہاں زبان کی دوئی میں ایک

ساتھ بہتی ہیں۔ یہ نہ صرف اظہار کی نئی صورت ہے بلکہ قاری کے فہم، لسانی تربیت، اور ثقافتی تجربے کا بھی امتحان ہے۔ موضوعاتی سطح پر بھی ہائبرڈیٹی کا رجحان گہرا ہے۔ نئی کہانیاں جہاں ایک طرف دیہی زندگی کے کرب، خاندانی نظام کے زوال، اور روایتی اقدار کی شکست و ریخت کو بیان کرتی ہیں، وہیں دوسری طرف گلوبلائزیشن، ڈیجیٹل آلہ کار، شناختی بحران، اور ماحولیاتی شعور جیسے عالمی مسائل کو بھی موضوع بناتی ہیں۔ اس طرح افسانہ ایک ایسی تخلیقی جگہ بن چکا ہے جہاں مقامی تجربہ اور عالمی نظریہ ایک دوسرے کو کاٹتے بھی ہیں اور جذب بھی کرتے ہیں۔ روایتی بیانیہ میں افسانہ ایک ثقافتی آئینہ ہوتا تھا، لیکن ہائبرڈیٹی نے اب اسے ایک "ثقافتی کراس روڈ" میں تبدیل کر دیا ہے، جہاں ہر سمت سے آنے والی فکری اور لسانی دھارائیں مل کر کہانی کو ایک نیا زاویہ عطا کرتی ہیں۔ افسانہ اب کسی ایک زمان و مکان کی پیداوار نہیں، بلکہ یہ وقت، جگہ، اور شناخت کے درمیان رواں تعلق کا مظہر بن چکا ہے۔ اس تناظر میں افسانہ نہ صرف فکشن ہے بلکہ ایک ایسا فکری مکالمہ (discursive space) بھی ہے جس میں قاری کو اپنی شناخت، مقام اور وابستگیوں پر دوبارہ غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ہائبرڈیٹی یہاں صرف اسلوبی انتخاب نہیں بلکہ ایک فکری تنقید بھی ہے—جو طے شدہ شناختوں، بیانیوں، اور ثقافتی اصولوں پر سوال اٹھاتی ہے۔ ادب کا کام صرف آئینہ دکھانا نہیں، بلکہ آئینے کے پیچھے کی حقیقت کو آشکار کرنا بھی ہوتا ہے۔ ہائبرڈ افسانے میں یہی تہہ در تہہ تناظر نمایاں ہوتا ہے۔ کہانی صرف وہ نہیں جو صفحے پر لکھی ہے، بلکہ وہ بھی جو زبانوں، لہجوں، ثقافتوں اور تشبیہوں کے درمیان پنہاں ہے۔ یہی پنہانی ہیئت افسانے کو محض داستان نہیں، بلکہ تہذیبی تفہیم کا ایک آلہ بنا دیتی ہے۔ نتیجتاً، ہائبرڈیٹی کا رجحان اردو افسانے کے لیے ایک نیا جمالیاتی چیلنج اور تخلیقی موقع دونوں لے کر آیا ہے۔ یہ رجحان ادب کو جامد نہ رہنے دینے، بلکہ وقت کے ساتھ ارتقاء پذیر رکھنے کی علامت ہے۔ اب سوال یہ نہیں کہ افسانہ روایتی ہے یا جدید، بلکہ سوال یہ ہے کہ افسانہ کتنے رنگوں، لہجوں اور تناظرات کو بیک وقت جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا (7) تہذیبی ساخت (Cultural Structure) اور اس کے اجزائے ترکیبی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "وہ معاشرہ جس کے ثقافتی ڈھانچے میں اجزائے ترکیبی یا اجزائے کثیف (Cultural Complexes) موجود ہوں، وقت کے ساتھ ساتھ ثقافتی سطح پر متحرک اور فعال ہو جاتا ہے۔ ایسے معاشروں کے فنونِ لطیفہ میں نہ صرف اس کی تہذیبی روح سمٹ آتی ہے بلکہ وہ فنون اس کلچر کی فکری، جمالیاتی اور تمدنی پختگی کے مظہر بن کر اس کے بہترین ثقافتی ثمر کے طور پر ابھرتے ہیں۔ "

افسانہ نگار اب کرداروں، فضا، علامتوں اور زبان کے ذریعے ایک ایسی بیانیاتی دنیا تخلیق کر رہے ہیں جس میں مشرق و مغرب، دیہی و شہری، روایت و جدیدیت، اور اردو و انگریزی یا ہندی کی سرحدیں مدغم ہوتی جا رہی ہیں۔ اردو افسانے کی حالیہ مثالوں میں یہ رجحان نہایت واضح انداز میں دیکھا جا سکتا ہے۔ آشا پربھات کا افسانہ ''ایکوریم''، جہاں ہندی/سنسکرت اور اردو کا بیانیہ ایک تخلیقی مقام پر جڑتا ہے، ایک ایسی شناختی فضا تشکیل دیتا ہے جس میں قاری صرف لسانی فہم سے نہیں بلکہ ثقافتی تجربے سے بھی کہانی کو پڑھتا ہے۔ اسی طرح

Al-Behishat Research Archive
https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

اسماء حسن کی کہانی ''نیم پلیٹ'' اردو افسانے میں دیسی اور جدید شہری ثقافت کے اشتراک کو ایک علامتی اور جمالیاتی سطح پر پیش کرتی ہے۔ یہ نہ صرف ہائبرڈ طرزِ زندگی کی عکاسی ہے بلکہ اس امر کی بھی کہ نئی نسل اب صرف کسی ایک روایت کی نمائندہ نہیں بلکہ وہ مختلف ثقافتی تجربات کا حاصل ہے۔پروین عاطف کی "ڈیزل میں لتھڑی چڑیا" میں زبان، علامت، اور کردار کا امتزاج ایک ایسی تہذیبی شکستگی کو ظاہر کرتا ہے جو صرف روایتی یا دیہی طرزِ احساس سے وابستہ نہیں بلکہ صنعتی و میکانی اثرات کی حامل جدیدیت کا حصہ بھی ہے۔ اس کہانی کا کثیر الجہتی بیان ہائبرڈیٹی کے اس جمالیاتی پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں موضوع خود اپنی شکل بدلتا ہے۔شبیر احمد کا ''سقوکلس کا المیہ'' تو ہائبرڈی افسانے کا کمال نمونہ ہے جہاں مغربی کلاسیکی ادب کی علامت (سقوکلس) کو اردو بیانیہ میں ضم کر کے ایک تہذیبی مکالمہ پیدا کیا گیا ہے۔ یہ افسانہ اس بات کی دلیل ہے کہ اردو افسانہ محض مقامی یا محدود اظہار کا وسیلہ نہیں بلکہ عالمی فکری و ادبی ورثے سے ہم کلام ہونے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔انوار زیدی کی "بائسکوپ دن" اور طلعت زہرہ کی "کاکروچ کی کتھا" میں بھی یہی ہائبرڈ رجحان پایا جاتا ہے۔ ان کہانیوں میں جہاں مقامی استعارے اور کردار موجود ہیں، وہیں بیانیہ میں بین المتنی اشارے (intertextual allusions)، زبان کی آمیزش، اور تہذیبی دھڑکنوں کا بین السطور تعامل کہانی کو کسی ایک مخصوص ثقافتی مقام سے اٹھا کر ایک بین المتنی اور بین الثقافتی فضا میں لے جاتا ہے۔

(4)

سوم: ''انٹر نیشنلزم'' یا ''بین الاقوامیت''، ڈیجیٹل عہد میں جب جغرافیائی فاصلے ایک "کلک" کے فاصلے پر سکڑ چکے ہیں، ادب کا دائرہ بھی مقامی سرحدوں سے نکل کر ایک بین الاقوامی (Internationalist) رُخ اختیار کر چکا ہے۔ اردو افسانہ، جو کبھی مقامی زبان و تہذیب کا عکاس سمجھا جاتا تھا، اب ایسی فکری اور تہذیبی فضا میں سانس لے رہا ہے جہاں وہ دنیا کے مختلف معاشروں، تہذیبوں، اور موضوعات سے نہ صرف متاثر ہو رہا ہے بلکہ باقاعدہ مکالمہ بھی کر رہا ہے۔ یہ رجحان بین الاقوامیت (Internationalism) یا گلوبل لٹریری شعور کا عکاس ہے۔ معاصر اردو افسانہ اس شعور کے تحت نہ صرف اپنی جڑوں سے جُڑا ہوا ہے بلکہ اس میں وہ وسعت بھی پائی جاتی ہے جو ایک عالمی قاری کو اپنی طرف متوجہ کر سکے۔ یہاں اردو محض اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ عالمی افسانوی ادب سے جُڑنے والا ایک پل بن چکی ہے۔ادبی نظریہ میں، "بین الاقوامیت" کو ہم گلوبل لٹریچر (Global Literature) اور کاسموپولیٹن ازم (Cosmopolitanism) سے جوڑ سکتے ہیں۔ڈیوڈ ڈیموش (8) کے مطابق:

> "A piece of literature becomes world literature when it travels beyond its place of origin."

اردو افسانہ اب صرف دہلی، لکھنؤ یا لاہور میں پڑھا اور سمجھا نہیں جا رہا بلکہ ٹورنٹو، لندن، دبئی، اوسلو اور نیویارک جیسے شہروں میں بھی اُس کے معنی کھل رہے ہیں — اور نئے قاری، نئی تشریحات لا رہے ہیں۔ بین الاقوامیت کا یہ اثر صرف مقام تک محدود نہیں بلکہ موضوعات میں بھی نظر آتا ہے۔ ہجرت، شناخت، بے وطنی (displacement)، نسل، کلچر شاک، اسلاموفوبیا، اور مابعد

نوآبادیاتی (postcolonial) حساسیت جیسے موضوعات اب اردو افسانے کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ ان کہانیوں میں وہ کردار جن کی پیدائش کسی ایشیائی شہر میں ہوئی، اُن کی جدوجہد کسی مغربی معاشرے میں شناخت حاصل کرنے کی ہوتی ہے۔ مثلاً علی نواز، رابعہ الرباء، ظہیر عباس اور ریاظ احمد جیسے افسانہ نگاروں کی کہانیاں اس رجحان کی نمائندہ ہیں جہاں مائیگریشن اور کلچرل ہائبرڈیٹی باقاعدہ موضوع بن چکے ہیں۔

بین الاقوامیت" اردو افسانے کی زبان اور بیانیہ پر بھی اثر انداز ہوئی ہے۔ اب کہانی میں محاورے، علامتیں اور استعارے صرف دیسی سیاق و سباق تک محدود نہیں۔ انگریزی الفاظ کا استعمال، مغربی فکر کی جھلکیاں، اور عالمی سیاسی و سماجی پس منظر کہانی کی تہہ میں شامل ہو چکے ہیں۔ یہ لسانی اور فکری ملاپ افسانے کو نہ صرف فکری وسعت دیتا ہے بلکہ اُسے دنیا کے دیگر ادب پاروں سے ہم کلام بھی کرتا ہے۔ اردو افسانے میں بین الاقوامیت کا ایک دلچسپ پہلو "ثقافتی ترجمہ (Cultural Translation) " بھی ہے۔ اردو میں لکھی گئی ایسی کہانیاں جو کسی مغربی تناظر میں جنم لیتی ہیں، قاری کے سامنے ایسی نئی دنیا رکھتی ہیں جس کا بیانیہ اردو ہوتا ہے مگر اس کا سیاق عالمی ہوتا ہے۔ انور زاہدی، خالد جاوید، اور نیلوفر اقبال جیسے افسانہ نگاروں نے اپنی تخلیقات میں اس "ترجمہ شدہ ثقافت" کو نہایت چابک دستی سے برتا ہے۔ اسی ضمن میں ہمیں پوسٹ کولونیل تھیوری بھی مدنظر رکھنی چاہیے، جو ادب کو صرف ایک فنّی مظہر نہیں بلکہ سامراجی تاریخ، شناختی کشمکش اور ثقافتی مزاحمت کا وسیلہ سمجھتی ہے۔ اردو افسانہ چونکہ خود ایک نوآبادیاتی پس منظر سے جنم لینے والا ادب ہے، اس لیے اُس کی بین الاقوامیت محض گلوبلائزیشن کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک طرح کا "جواب" بھی ہے —— ایک مزاحمتی آواز، جو مغربی نظریات، اقدار اور بیانیوں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر مکالمہ کرنا چاہتی ہے۔ مغربی قارئین کے لیے ترجمہ شدہ اردو افسانے بھی اس رجحان کو مضبوط بناتے ہیں۔ گزشتہ دہائیوں میں جن افسانہ نگاروں کی تخلیقات انگریزی، جرمن یا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئیں، اُن کے ذریعے اردو افسانہ عالمی ادبی منڈی میں داخل ہوا۔ مثلاً انتظار حسین، احمد ندیم قاسمی، اور عصمت چغتائی کے افسانے اب مغربی جامعات کے نصاب میں بھی شامل ہو چکے ہیں، جو اس بین الاقوامی فکری رابطے کی ایک اہم کڑی ہے۔ تاہم اس بین الاقوامیت کے کچھ چیلنجز بھی ہیں۔ کبھی کبھی افسانہ اپنے مقامی رنگ کھو بیٹھتا ہے یا خود کو عالمی قارئین کے لیے قابلِ فہم بنانے کی جستجو میں اپنی تہذیبی گہرائی کھو دیتا ہے۔ یہی وہ لمحہ ہے جہاں تخلیق کار کو توازن قائم رکھنا ہوتا ہے —— نہ مکمل "عالمی" ہو کر اپنی جڑیں کھونا، نہ ہی مکمل "مقامی" ہو کر دنیا سے کٹ جانا۔ بین الاقوامیت دراصل ایک "تخلیقی کشمکش" کا نام ہے۔ ایک ایسا تخلیقی میدان جہاں اردو افسانہ اپنی تاریخ، زبان، اور فکر کے ساتھ داخل ہوتا ہے، اور نئی دنیاؤں سے مکالمہ کرتا ہے —— کبھی متاثر ہوتا ہے، کبھی متاثر کرتا ہے۔ یہ وہ لمحہ ہے جہاں اردو افسانہ خود سے باہر نکل کر خود کو بہتر انداز میں جاننے کی کوشش کرتا ہے۔

(5)

چہارم: ""سماجیت اور شناخت""، اگرچہ اردو افسانہ ہمیشہ سے سماجی حقیقتوں کا آئینہ دار رہا ہے، لیکن عہدِ استخبار (Information Age) میں یہ آئینہ زیادہ پُر پیچ اور کثیر العکاس ہو چکا ہے۔ معلومات کی غیر معمولی دستیابی، سوشل میڈیا کا اثر، اور ڈیجیٹل اظہار کی کثرت نے انسانی وجود، سماجی وابستگی، اور انفرادی شناخت کو نئے زاویوں سے دیکھا ہے —— اور اردو افسانہ اس تبدیلی کو اپنے بیانیے میں

بھرپور طور پر سمو رہا ہے۔آج کی دنیا میں سماجیت کوئی جامد مظہر نہیں رہی بلکہ مسلسل تشکیل پاتی ہُوئی حقیقت ہے۔ ذات، جنس، مذہب، قومیت، اور طبقاتی شعور —— یہ سب عناصر اب ایک مستحکم ڈھانچے کی جگہ ایک سیال (fluid) حالت میں نظر آتے ہیں۔ یہی بات شناخت کے مفہوم کو بھی متاثر کرتی ہے، جہاں انسان اب محض ایک شناخت کا حامل نہیں بلکہ کئی شناختی پرتوں (layers of identity) کا مجموعہ بن چکا ہے۔ یہ نظریہ اسٹوورٹ ہال(9) کے اس تصور کی یاد دلاتا ہے:

"شناخت کوئی جامد شے نہیں، بلکہ یہ ثقافتی نظاموں میں ہماری نمائندگی اور تعین
کے طریقوں سے مسلسل تشکیل پاتی اور تبدیل ہوتی رہتی ہے۔"

عصرِ حاضر کا اردو افسانہ اسی "متغیر شناخت" کو موضوع بناتا ہے۔ مثلاً عورت کی شناخت صرف ایک صنفی مظہر نہیں رہی، بلکہ اس میں سماجی جبر، مذہبی توقیر، روایتی کردار، اور جدید فکری مزاحمت سب شامل ہو چکے ہیں۔ نور الہدیٰ شاہ، فہمیدہ ریاض، اور رضیہ فصیح احمد جیسے مصنفین نے اپنی کہانیوں میں عورت کو ایک ایسی ہستی کے طور پر دکھایا جو سماج کی قائم کردہ شناختی حدود کو توڑتی ہے، سوال اٹھاتی ہے، اور اپنی جگہ تلاش کرتی ہے۔اسی طرح اقلیتی شناختیں (جیسے مذہبی یا لسانی اقلیتیں) بھی اب کہانیوں میں نئے تناظر کے ساتھ ابھری ہیں۔افسانہ "بابو گوپال داس" (وقار نسیم) میں ہجرت کے بعد ایک غیر مسلم کردار کی شناختی کشمکش، اور اس کے اندر کی سماجی بے گانگی کا اظہار ایک بڑی بین السطور کہانی بیان کرتا ہے۔ یہاں شناخت صرف "کون ہوں؟" کا سوال نہیں، بلکہ "کہاں کھڑا ہوں؟" اور "کیوں الگ ہوں؟" جیسے سوالات کو بھی جنم دیتا ہے۔سماجیت کے حوالے سے اہم ترین رجحان ڈیجیٹل سماج کا ابھرنا ہے۔ اب معاشرہ صرف گلی، محلے، شہر اور قوم تک محدود نہیں، بلکہ ورچوئل نیٹ ورکس اور ڈیجیٹل کمیونٹیز میں بھی بکھرا ہوا ہے۔ افسانہ ان نت نئی صورتوں میں انسان کے رویّے، رشتے، اور ذاتی احساسات کو explore کر رہا ہے۔"اسکرین پر ٹھہری تنہائی" (افسانہ: ناہید قدوائی) میں ایک خاتون کی مجازی (virtual) تعلقات میں الجھی شناخت کی جدوجہد کو نہایت گہرائی سے پیش کیا گیا ہے۔ شناختی سیاست (Identity Politics) بھی اردو افسانے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ افسانہ نگار اب سیاسی شعور کے ساتھ کہانی لکھتے ہیں، جہاں طبقاتی کشمکش، قومی اقلیتوں کے مسائل، مذہبی پہچان کے بحران، اور جنسی شناخت کی تصدیق (affirmation) جیسے موضوعات براہِ راست بیانیے کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں کوئیر شناخت (Queer Identity) پر لکھی جانے والی کہانیاں بھی اردو افسانے کے دائرے میں شامل ہو رہی ہیں، جیسے افسانہ "رات کی رانی " (رابعہ الرباء)، جہاں ایک transgender کردار کی شناخت اور سماجی مقام کو مرکزی موضوع بنایا گیا ہے۔

سماجیت اور شناخت کی تشکیلِ نو (Reconstruction) میں بین المتنی اشارات (intertextual references) بھی اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اردو افسانہ ماضی کے بیانیوں، روایتی کرداروں، اور ثقافتی استعاروں کو نئے سیاق میں لا کر ایک نیا زاویہ پیدا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، افسانہ "آئینے کے پیچھے کی تصویر" (اسد محمود خان) میں ماضی اور حال کی شناختیں آپس میں متصادم اور متعامل ہو جاتی ہیں، اور قاری پر یہ واضح ہوتا ہے کہ شناخت نہ تو مکمل طور پر ذاتی ہے، نہ ہی محض سماجی —— بلکہ یہ ایک فکری مظہر ہے جو ہمیشہ ارتقائی حالت میں ہوتا ہے۔ ادبی نظریہ کے تناظر میں، یہ رجحان نئی تنقید (New Criticism) سے آگے بڑھ کر کلچرل

اسٹڈیز، (Cultural Studies) پوسٹ ماڈرنزم، اور سبالٹرن اسٹڈیز سے جڑ جاتا ہے، جو متن کو صرف فن پارہ نہیں بلکہ ایک سماجی و ثقافتی دستاویز (social document) سمجھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو افسانہ اب صرف لطف و جمالیات کی تسکین نہیں بلکہ فکری، شناختی، اور سماجی تجزیے کا ذریعہ بھی بن چکا ہے۔

(6)

پنجم: ''جنسیت اور نفسیات'' کی تہہ داری جہاں اردو افسانہ اپنی ارتقائی جہتوں میں ہمیشہ انسانی نفسیات اور جنسیت سے مربوط معاملات کو کسی نہ کسی صورت بیان کرتا آیا ہے، لیکن عہدِ استخبار میں ان دونوں مظاہر کی وہ پرتیں نمایاں ہوئی ہیں، جو پہلے یا تو دب کر رہ جاتی تھیں یا اشاراتی سطح تک محدود ہوتی تھیں۔ اب افسانے میں جنس (Sexuality) اور نفس (Psyche) محض ذاتی کیفیت یا جسمانی موضوع نہیں رہے بلکہ وجودی، ثقافتی، اور سماجی شناخت کے مرکزی زاویے بن چکے ہیں۔ جنسیت کا بیانیہ اردو افسانے میں مختلف زمانوں میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوا۔ منٹو نے پہلی بار اسے بھرپور سطح پر ادب میں جگہ دی، لیکن عصرِ حاضر کے افسانہ نگار نہ صرف اس کی جسمانی ساخت کو موضوع بناتے ہیں بلکہ جنسی شناخت، جبلّت، خواہش، دباؤ، اور نفسیاتی ردِ عمل کے پیچیدہ مظاہر کو بھی کہانی میں سمیٹتے ہیں۔ جنس اب "کردار" یا "واقعہ" کا جزو نہیں بلکہ مکمل نفسیاتی بیانیہ بن چکا ہے، جس میں شخصیت کا ارتقاء، تنہائی، عدمِ قبولیت، اور سماجی بوجھ جیسے مسائل جڑے ہوتے ہیں۔ نفسیات کے لحاظ سے اردو افسانہ فروئی نظریات (Freudian theory) سے لے کر لکانین سائیکو اینالیسس (Lacanian psychoanalysis) اور یونگ کے آرکی ٹائپس (Jungian archetypes) تک کی گونج رکھتا ہے، اگرچہ اکثر مصنفین نے اسے براہِ راست استعمال نہیں کیا بلکہ تجرباتی اسلوب میں برتا۔ اس کی ایک مثال خالد جاوید کے افسانے ہیں، جہاں کردار اپنی لاشعوری (Unconscious) یا "اندھیرے میں مقید جبلّت" کے زیرِ اثر اعمال انجام دیتا ہے۔ ان افسانوں میں خارجی دنیا، کردار کے داخلی جنسی یا نفسیاتی کرب کی علامت بن جاتی ہے۔ اردو افسانے میں جنسیت اور نفسیات کی تہہ داری اس وقت اور زیادہ اہم ہو جاتی ہے جب کہانی نسائی وجود یا اقلیت کے تناظر میں لکھی جاتی ہے۔ رضیہ فصیح احمد، نور الہدیٰ شاہ، کشور ناہید اور عذرا عباس نے ایسے موضوعات کو بیان کیا جو نسوانی وجود کے اندرونی تجربات سے متعلق ہیں — جیسے خواہش کا انکار، جسم پر اجنبیت کا احساس، یا سماج کی طرف سے جنس کے ساتھ جُڑی ہوئی خاموش سزا۔ یہاں جنس صرف 'بدن' کی کہانی نہیں، بلکہ ذہنی فہم اور سماجی جبر کی ایک مستقل مزاحمت ہے۔ عبدالرشید خان (10) لکھتے ہیں:

> "اردو افسانے کے بیانی کار نقشِ پَیر پر چلتے اگرچہ جنسی نگاری کو اپنا واضح موضوع
> نہیں بنایا، مگر ان کی بعض کہانیوں میں بلواسطہ طور پر بعض ایسے جنسی مسائل پر
> روشنی ڈالی گئی ہے جو یا تو طبقاتی کشمکش کا نتیجہ ہیں یا سماجی۔"

ڈیجیٹل عہد نے ان بیانیوں کو مزید تقویت دی ہے۔ اب قاری اور افسانہ نگار کے درمیان جو ورچوئل قربت ہے، اس نے تحریر کو زیادہ بے باک، لیکن ساتھ ہی زیادہ فکری بنا دیا ہے۔ افسانہ نگار اب جنسی موضوعات کو نفسیاتی سچائی اور وجودی بحران کے تناظر میں explore کرتا ہے، اور کہانی کو ایک اندرونی مکالمہ بنا دیتا ہے۔ اس ضمن میں افسانہ "بدن کا بیان" (عاصمہ ناز) میں عورت کا بدن

محض سماجی کرب کی علامت نہیں بلکہ اس کے شعور اور لاشعور کی کشمکش کی مکمل عکاسی ہے۔مابعد جدید (Postmodern) ادب نے اس رجحان کو مزید گہرائی دی ہے، جہاں جنس کو ایک ثقافتی بیانیہ کے طور پر بھی دیکھا جاتا ہے۔افسانے اب اس بات کو موضوع بناتے ہیں کہ معاشرہ کس طرح جنسیت کے معیارات مرتب کرتا ہے، اور وہ معیارات کس طرح انسان کے ذہن، رویے، حتیٰ کہ شناخت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہاں ہم جنس اور نفسیات کو الگ الگ نہیں بلکہ ایک دوسرے میں گندھے ہوئے بیانیے کے طور پر دیکھتے ہیں— جو کہ افسانہ کو ایک تہہ دار، پیچیدہ اور معنی خیز فن بنادیتا ہے۔اردو افسانہ اب صرف ہیٹرو سیکچوئل تعلق یا مردانہ نقطۂ نظر تک محدود نہیں رہا۔ کوئیر نظریات (Queer Theory) کے تحت لکھی جانے والی کہانیاں، اس بات کی غماز ہیں کہ اردو افسانہ نہ صرف جنسیت کے اظہار میں وسعت اختیار کر رہا ہے، بلکہ نفسیاتی جہتوں کو بھی مختلف شناختوں کی روشنی میں بیان کر رہا ہے۔یہی تہہ داری، یہی تجزیہ، اور یہی جُھجھک کے بغیر اظہار اردو افسانے کو اس مقام تک لے آیا ہے جہاں وہ قاری کے ذہن کو صرف محظوظ نہیں کرتا بلکہ چونکاتا، جھنجھوڑتا اور فکری سطح پر چیلنج کرتا ہے۔

(7)

ششم: ''سپرا سپیشلیٹی سینڈرَوم'' ، معاصر اردو افسانے میں جو نئی فکری سمتیں ابھر کر سامنے آ رہی ہیں، ان میں سے ایک نہایت نمایاں جہت وہ ہے جسے علامتی طور پر ''سپرا سپیشلیٹی سنڈروم'' کہا جا سکتا ہے۔ یہ اصطلاح بظاہر طبّی دنیا سے تعلق رکھتی ہے، جہاں ہر مرض کے لیے مخصوص اور ماہر ڈاکٹر یا ٹیکنولوجی درکار ہوتی ہے، لیکن ادب میں اس کا استعمال اُس ذہنی، ثقافتی، اور ادبی مزاج کے لیے کیا جا سکتا ہے جہاں ہر موضوع، ہر کردار، اور ہر بیانیہ انتہائی خاص، محدود، یا پیچیدہ تناظر میں ڈھلنے لگتا ہے۔ یہ رجحان اس وقت اور زیادہ شدت اختیار کر گیا جب ڈیجیٹل کلچر نے ہر فرد کو "ذہانت کا جزیرہ (island of intellect) "بنانے کا دھوکا دیا، اور ہر قاری یا لکھنے والا کسی مخصوص، اکثر اوقات پیچیدہ یا نچلے سطح کے موضوع کو اس طرح پیش کرنے لگا جیسے وہ مکمل انسانی تجربے کی نمائندگی کر رہا ہو۔اردو افسانے میں بھی اس اثرات کی جھلک واضح نظر آتی ہے— کرداروں کی فکری بنت، کہانیوں کے موضوعات، زبان کا اسلوب، اور علامتوں کی پیچیدگی اس قدر مخصوص اور "ماہرانہ (specialized) "ہو گئی ہے کہ عام قاری کے لیے رسائی کا عمل دشوار بننے لگا ہے۔افسانے میں "سپرا سپیشلیٹی" اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہانی کسی ایک فکری یا وجودی نکتے کو اس قدر گہرائی سے کھنگالتی ہے کہ وہ زندگی کے باقی پہلوؤں کو یا تو نظر انداز کر دیتی ہے یا ایک خاص زاویے سے ان کی تعبیر کرنے لگتی ہے۔ یہاں میشیل فوکو (Michel Foucault) (11)کا یہ تصور اہم ہو جاتا ہے:

"علم اور طاقت کس طرح ایک خاص ڈسکورس کو مرکزی حیثیت دے کر بقیہ سچائیوں کو غیر فعال کر دیتا ہے۔"

اردو افسانے میں جب ایک مخصوص طرزِ احساس، جیسے "ذہنی الجھن"، "شعور کی رو"، یا "وجودی کرب" ہر کردار، ہر بیانیہ، اور ہر فضا پر حاوی ہو جائے، تو یہ سپرا سپیشلیٹی سنڈروم کی علامت بن جاتا ہے۔ خالد جاوید، زبیر فاروقی، کوثر مظہری اور چند دیگر معاصر افسانہ نگاروں کے ہاں یہ رجحان نمایاں ہے کہ افسانے کی فضا، اسلوب، اور کردار ایک ایسے "متخصص (specialized) "داخلی وجود

میں سانس لیتے ہیں جہاں خارج کا عمل یا تو معدوم ہو چکا ہوتا ہے یا علامتی و تجریدی حد تک محدود۔ ایسے افسانے اکثر پسِ شعور (subconscious) یا لاشعور (unconscious) کی دنیا میں گھومتے ہیں، جہاں ایک مخصوص موضوعی جہت کہانی کو فکری گہرائی تو دیتی ہے، لیکن ساتھ ہی اسے عام فہمی یا کثیر المعنویت سے محروم بھی کر دیتی ہے۔

یہاں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ کیا "سپرا سپیشلیٹی" اردو افسانے کے لیے ایک تخلیقی طاقت ہے یا ایک محدودیت؟ اس کا جواب صرف ادبی فہم سے نہیں، بلکہ ثقافتی تبدیلیوں سے بھی جڑا ہوا ہے۔ چونکہ آج کی دنیا میں معلومات کی فراوانی نے ہر موضوع کو فوری اور جزئی بنا دیا ہے، اس لیے افسانہ نگار بھی شعوری یا لاشعوری طور پر اس مزاج کا حصہ بن چکا ہے جہاں "عمومی زندگی" یا "اجتماعی تجربہ" ثانوی اور "ماہرانہ" یا "انفرادی شعور" اولین ہو چکا ہے۔ مارشل میکلوہن (12)(Marshall McLuhan) کی یہ بات قابلِ غور ہے کہ "the medium is the message" یعنی جب ابلاغ کی شکل خود ہی مخصوص، جدید، اور تکنیکی ہو جائے تو وہ مواد کو بھی اسی مزاج میں ڈھال لیتی ہے۔ اردو افسانہ اب صرف کہانی سنانے کا ذریعہ نہیں رہا بلکہ ایک ایسا ماہر لسانی، جمالیاتی، اور فکری تجربہ بن چکا ہے جس کی تفہیم کے لیے قاری کو بھی ایک مخصوص علم، مزاج، اور ادبی فہم درکار ہوتی ہے۔ پیئر بوردیو (Pierre Bourdieu) کے "Cultural Capital" کے نظریے کے مطابق، ہر ثقافتی اظہار اپنی مخصوص علمی، سماجی اور طبقاتی بنیادوں پر قاری سے کچھ "پیشگی علم (Prior Knowledge)" کا تقاضا کرتا ہے۔ یہی تصور اردو افسانے کے سپرا سپیشلیٹی رجحان میں بھی دیکھا جا سکتا ہے، جہاں بیانیہ ایک خاص پس منظر، علمی حوالہ یا شعوری تربیت کے بغیر مکمل طور پر گرفت میں نہیں آ سکتا۔ یہ رجحان اگرچہ افسانے کی جمالیات میں اضافہ کرتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ ادبی اشرافیت (Literary Elitism) اور قاری کی بیگانگی (Reader Alienation) کو بھی جنم دیتا ہے۔ ایسا افسانہ جس میں صرف چند منتخب ذہن ہی معانی تلاش کر سکیں، وہ بڑے قاری طبقے کے ساتھ مکالمے سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہی وہ پہلو ہے جہاں "سپرا سپیشلیٹی" ایک بیانیہ بحران (narrative crisis) کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ تاہم یہ بھی سچ ہے کہ اسی رجحان نے اردو افسانے میں علامتی گہرائی، نفسیاتی تجرید، فکری دبازت، اور بین المتنی بُعد کو جنم دیا ہے۔ ان پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ افسانہ نگار "ماہریت" اور "بیانیت" کے درمیان توازن برقرار رکھے تاکہ وہ فن کو پیچیدگی کے ساتھ ساتھ معنویت بھی دے سکے۔ یہ رجحان اگرچہ بظاہر الگ تھلگ، پیچیدہ، اور محدود نظر آتا ہے، لیکن یہ معاصر انسانی وجود، اس کے کرب، اور اس کے فکری انتشار کا وہی عکس ہے جو آج کے عہد کا جُز بن چکا ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اردو افسانے کا نیا بیانیہ نہ صرف اس کی فکری بلوغت کا اشاریہ ہے بلکہ اس کی عالمی افادیت، جمالیاتی وسعت اور علمی پختگی کا بھی مظہر ہے۔ ڈیجیٹل عہد نے جہاں افسانے کو تکنیکی وسائل دیے، وہیں اس نے کہانی کو ایک نئے فکری نظام میں پرو دیا۔ اب افسانہ نہ صرف بتایا جاتا ہے بلکہ دکھایا، محسوس کرایا اور تخلیق میں قاری کو شامل کر کے مکمل کیا جاتا ہے۔ فلیش فکشن کا رجحان ہمیں اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ مختصر ترین بیانیہ بھی پورے عہد کی ترجمانی کا اہل ہو سکتا ہے۔ ہائبرڈیٹی نے اردو افسانے کو ثقافتی آمیزش کے ایک نکتے پر لا کھڑا کیا ہے جہاں روایت اور جدیدیت، مقامی اور عالمی، دیسی اور ولایتی عناصر ایک مشترکہ بیانیہ کی تشکیل

کرتے ہیں۔ یہ نہ صرف زبان کی سطح پر ہوا بلکہ فکر، علامت اور اسلوب کی گہرائیوں میں بھی سرایت کر چکا ہے۔ بین الاقوامیت نے افسانے کی جغرافیائی سرحدیں مٹادی ہیں۔ ڈیجیٹل ثقافت کے ذریعے اردو کہانی عالمی مکالمے کا حصہ بن چکی ہے۔ آج کا اردو افسانہ صرف اردو داں قاری کے لیے نہیں بلکہ ایک کثیر الثقافتی قاری کے لیے بھی لکھا جارہا ہے۔ ساجیت اور شناخت کے مباحث نے بیانیہ کو محض نجی یا داخلی تجربے سے نکال کر اجتماعی اور شناختی سیاست سے جوڑ دیا ہے۔ طبقاتی، نسلی، لسانی اور صنفی شناخت کے حوالے سے اب افسانہ ایک سماجی مظہر بن چکا ہے، جو معروض اور موضوع، دونوں کا احاطہ کرتا ہے۔ جنسیت اور نفسیات نے کہانی کو انسانی ذات کے گہرے لاشعوری گوشوں میں داخل ہونے کا موقع فراہم کیا ہے۔ جدید افسانہ، فرائیڈ، لکان اور فوکو جیسے نظریہ دانوں کے تناظرات میں نہ سہی، مگر ان کے زیر اثر ایسی داخلی جہتوں کو موضوع بنا رہا ہے جو ماضی میں ممنوع یا غیر موضوعاتی سمجھی جاتی تھیں۔ سپرا سپیشلیٹی سنڈروم، یعنی بیانیے کا تخصص کی انتہاؤں تک جانا، اس عہد کی نمایاں خصوصیت ہے۔ کہانی کار اب ایسے متن تخلیق کر رہا ہے جو نہ صرف فکری سطح پر مہارت کا تقاضا کرتے ہیں بلکہ قاری سے بھی ایک مخصوص علمی پس منظر چاہتے ہیں۔ یوں افسانہ صرف تخلیقی اظہار نہیں، بلکہ ایک دانشورانہ مکالمہ بنتا جارہا ہے۔ یہ تحقیقی مطالعہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ اردو افسانے کی نئی تشکیل محض ایک لسانی یا ادبی تجربہ نہیں بلکہ ایک ثقافتی، فکری اور سماجی جہت رکھتی ہے، جسے آئندہ مطالعات میں مزید وسعت، گہرائی اور بین المتنی تنقید کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات وحواشی:

(1) افراہیم، پروفیسر صغیر (2011ء)، "اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کا اردو افسانہ"، دہلی، پبلشر چوتھی دنیا، ص 21۔

(2) اسمتھ، زیدی (2005ء)، " On Beauty "، لندن: پینگوئن بکس، ص 112۔

(3) لاج، ڈیوڈ (2002ء)، " Consciousness and the Novel "، کیمبرج، ایم اے: ہارورڈ یونیورسٹی پریس، ص 87۔

(4) بارتھ، رولان (1977ء)، " The Death of the Author"، لندن: فونٹانا پریس، ص 74۔

(5) راہی، ڈاکٹر عظیم (2008ء)، "اردو میں افسانہ کی روایت تنقیدی روایت"، اورنگ آباد، سویرا آفسیٹ پریس، ص 59۔

(6) بھابھا، ہومی کے (1994ء)، " The Location of Culture"، لندن: روٹلیج، ص 2۔

(7) آغا، ڈاکٹر وزیر (2009ء) کلچر کے خدوخال، لاہور، مجلس ترقی ادب، ص 15۔

(8) ڈیموش، ڈیوڈ (2003ء)، " What is World Literature? "، پرنسٹن یونیورسٹی پریس، ص 4۔

(9) ہال، اسٹورٹ (1996ء) Questions of Cultural Identity "، لندن: سیج پبلی کیشنز، ص 43۔

(10) خان، عبدالرشید (2020ء)، "اردو افسانے میں جنس نگاری"، دہلی، ذکری انٹرنیشنل پبلیشرز، ص 12۔

(11) فوکو، میشیل (1977ء)، " Discipline and punish: The birth of the prison "،

Al-Behishat Research Archive
https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

نیویارک: پینتھیون بکس، ص88۔

(12) میکلوہن، مارشل(1984ء) " Understanding Media: The Extensions of Man"، نیویارک: میک گرا-ہل، ص7۔